© rasailojaraid.com

اکیسویں صدی عیسوی

مذہبی تنظیموں کے لیے کام کرنے کی نئی جہتیں

ڈاکٹر محمود الحسن عارف☆

نئی صدی - اکیسویں صدی کا آغاز ہو چکا ہے ، اس موقع پر مغربی ممالک ، بالخصوص امریکہ ، برطانیہ ، فرانس اور یونان وغیرہ میں بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے دنیا نے نئے سرے سے جنم لیا ہو ، یا پھر ہمارے سائنس دانوں نے ستاروں سے آگے کا کوئی نیا جہاں دریافت کر لیا ہو اور اس نئی صدی میں دنیا اس نو دریافت شدہ عالم میں نقل مکانی کر چکی ہو۔

دوسری طرف اسلامی دنیا بالخصوص مسلمانوں کی مذہبی تنظیمیں اور ادارے ابھی تک گومگو کے عالم میں ہیں- اسلامی دنیا کا " ترقی پسند " طبقہ بڑے جوش و خروش سے نعرے بلند کر رہا ہے ، جب کہ قدامت پرست مذہبی رہنما اس کے خلاف جوشیلی اور جذباتی تقریریں کر رہے ہیں... ان حالات کا تقاضا یہ ہے کہ معروضی طریقے سے اس مسئلے کا تجزیہ کیا جائے اور اس مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر ایک نظر ڈالی جائے .... اور یہ دیکھا جائے کہ اس صدی میں مسلمانوں کے ساتھ زمانے کا کیا سلوک ہو گا۔ اور خود مسلمانوں کو' اس صدی میں کونسا رویہ اپنانا چاہئیے۔

☆ صدر نشین، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ا- دین اسلام کی فطرت

اس سے قبل کہ اصل موضوع پر کچھ عرض کیا جائے ، مناسب ہو گا کہ دین اسلام کی فطرت کے حوالے سے ، چند اصولی باتوں کی طرف توجہ دلا دی جائے۔ عام طور پر دوسرے ادیان نے اس وقت ترقی کی جب انہیں سرکاری اور حکومتی سرپرستی حاصل ہوئی۔ عیسائیت کو فروغ اس وقت ملا جب قسطنطین اعظم نے عیسائیت قبول کر لی۔ یہودیت کی ترقی ، فلسطین میں ان کی آزاد اور خود مختار حکومتوں کے رہین منت ہے۔ "بدھ مت" نے اس وقت وسعت پائی جب مشرقی ایشیا پر اس کی ماننے والی حکومتیں مسند اقتدار پر متمکن ہوئیں- اسی لیے ان مذاہب کی ترقی کا چراغ اس وقت گل ہو گیا جب انہیں سرکاری سرپرستی حاصل نہ رہی ۔ شام ، مصر اور فلسطین میں مسلمان حکومتوں کے قیام کے بعد عیسائیت کا بوریا بستر گول ہو گیا- یہودیت اپنی سیاسی حاکمیت کھو دینے کے بعد ایک " خانہ بدوش" مذہب کی حیثیت اختیار کر گئی- ہندوستان میں بودھ حکومت کا زوال اس مذہب کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہوا اور خطے میں اس مذہب کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

اس کے برعکس اسلام کی فطرت مکمل طور پر اس کے برعکس ہے - یہ اس وقت زیادہ فروغ پاتا ہے جب اسلامی دنیا زوال اور کمزوری کا شکار ہو اور جب تندوتیز آندھیاں اسے بجھانے کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں ' بقول مولانا ظفر علی خان:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام سر تا پا ایک آزاد اور خودمختار مذہب ہے - یہ کسی کی مدد کا نہیں' بلکہ لوگ اس کی مدد کے محتاج ہیں۔ اس کی یہ فطرت اسے دوسرے مذاہب سے مختلف اور ممتاز بناتی ہے۔ اس کا نیر تاباں اس وقت نصف النہار پر پہنچتا ہے جب اسے دبانے اور مٹانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ اس کی تاریخ کی ابتداء واقعہ ہجرت سے ہوتی ہے جو بجائے خود مظلومیت اور بے کسی و بے بسی کی مظہر ہے۔ نبی اکرم صلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثاروں کے لیے اپنے مولد و مسکن میں رہنا مشکل بنا دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ تیار کر لیا گیا اور دشمن اپنے اس خطرناک ارادے سے آپ کے مکان کا محاصرہ کرنے کے لیے آ گئے۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ اسی تاریک رات کے بطن سے وہ سحر نمودار ہوئی جس کی فلک پوش کرنوں نے سارے عالم کو جگمگا دیا۔

اسی طرح جب مغربی طالع آزماؤں نے پورے عالم اسلام پر اپنا خونی اقتدار قائم کر کے مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے بے دست و پا کر دیا تو اسلامی دنیا میں نشاۃ ثانیہ کی پرجوش تحریک نے جنم لیا جس کی کامیابی کے تصور سے آج مغربی ممالک پریشان ہیں۔

۲- زمانے کی اہمیت اور اسلام

اکیسویں صدی کے حوالے سے، سب سے پہلا سوال جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں زمانے کی کیا اہمیت ہے، درحقیقت تو اسلام میں "زمانہ" ایک کبھی نہ ختم ہونے والا اور ہر دم جوان اور ہر آن رواں رہنے والا، زندگی کا ایسا دریا ہے جو ازل سے ابد تک جاری ہے اور جاری رہے گا اور جس کے سوتے ازل کے چشموں سے پھوٹتے اور ابد کی وادیوں تک پہنچتے نظر آتے ہیں..... اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانے کو برا بھلا کہنے سے روکا ہے اور قرار دیا ہے کہ زمانہ درحقیقت اللہ بزرگ و برتر کے تکوینی احکام کا مظہر ہے، فرمایا:

لا تسبّو الدھر فان اللہ ھُوالدھر (زمانے کو برا بھلا نہ کہو، اس لیے کہ زمانہ خدا ہے)۔

تاہم ایک اعتبار سے زمانے کی اہمیت کو تسلیم بھی کیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ زمانہ "لیل و نہار" سے عبارت ہے، جس میں لوگوں کے لیے بڑی عبرتیں اور بصیرتیں پنہاں ہیں....(۱) جن میں سے ایک یہ ہے کہ وقت کے یہ پیمانے لوگوں کو وقت گذرنے کا احساس دلاتے ہیں اور ان پیمانوں کے ذریعے بندہ اپنے مسافر ہونے اور اس دنیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ''مسافرخانہ'' ہونے سے باخبر رہتا ہے۔

شب و روز کے ان پیمانوں میں ایک اور بصیرت یہ ہے کہ بندہ ان کے ذریعے اپنے گذرے ہوئے ماضی کا تجزیہ اور اپنے مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کر سکتا ہے.... ''نئی صدی'' کی صبح کا آغاز اسی حوالے سے بہرحال اہمیت رکھتا ہے۔

۳۔ منصوبہ بندی کا فقدان....ہمارا قومی المیہ

یہاں اگر یہ کہا جائے تو بالکل بجا ہو گا کہ منصوبہ بندی کا فقدان ہمارا قومی المیہ ہے تو بالکل بجا ہو گا، اس لیے کہ خواہ ملکی سطح ہو یا نجی اور انفرادی سطح، منصوبہ بندی نہ کرنا ہماری روایت کا ایک حصہ ہے۔ ہماری مثال تو اس صحرا میں بھٹکے ہوئے مسافر جیسی ہے جسے یہ بھی خبر نہ ہو کہ اس کی منزل مقصود کیا ہے اور جو ہر شجر سایہ دار کو اپنی منزل مقصود سمجھ کر اسے اپنی قرار گاہ بنا لیتا ہے، لیکن کچھ عرصے کے بعد اسے پتہ چلتا ہے کہ اسے تو دراصل کہیں اور جانا تھا۔

اسلامی دنیا (او آئی سی) اس وقت ۵۷ اسلامی ملکوں پر محیط ہے اور اسے (آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس) کو منصہ شہود پر آئے ہوئے بتیس برس ہو رہے ہیں (اس کی ابتداء ۱۹۶۹ء میں بیت المقدس پر یہودیوں کے حملے سے ہوئی تھی)۔ مگر ان بتیس برسوں میں کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جسے اس عالمی تنظیم کے اعمال خیریہ میں شامل کیا جائے۔

اسی طرح ، ہمارے ملک میں مذہبی جماعتیں اور تنظیمیں کئی سو کی تعداد میں ہونے کے باوجود کسی منظم منصوبہ بندی اور واضح پلاننگ کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں، ان حالات میں نئی صدی کے نئے منصوبوں کی بات کرنا' طوطی خانے میں نقارے کی آواز کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا' بایں ہمہ اس ''ساز کہن'' کو بجا لینے میں کیا حرج ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴- اندیشہ ہائے دور دراز

بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کے آغاز پر عیسائی دنیا.... خصوصاً ایشیا پر قبضے اور اپنے غلبے کے سنہری خواب دیکھ رہی ہے' چنانچہ گذشتہ سال پوپ جان پال نے نہرو سٹیڈیم (بھارت) میں ۵۰ ہزار عیسائیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:
"آنے والی صدی ایشیا میں عیسائیت کی صدی ہے' انہوں نے جنوبی ہندوؤں کے مظاہروں کے باوجود اپنے مذہب کی تبلیغ کو فریضہ قرار دیا"۔

عیسائی دنیا نے بہت عرصے سے مسلمانوں میں تبلیغ کے لیے دو ذریعے اور طریقے اپنا رکھے ہیں، گمان غالب ہے کہ اس صدی میں ان ذریعوں کو مزید وسعت دی جائے گی:

ان میں سے ایک طریقہ "بہبود عوام" کا ہے اور دوسرا طریقہ "لوگوں کو جدید تعلیم" مہیا کرنے کا ہے۔ عیسائیوں کے تمام مشنری ادارے انہی خطوط پر دنیا بھر میں عیسائیت کی نشرو اشاعت میں مصروف ہیں۔ اپنے اداروں کے ذریعے ان کی اولین کوشش یہ ہے کہ وہ لوگوں کو عیسائی بنائیں اور اگر کسی کو عیسائی نہ بنا سکیں....تو تب وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ان کو "لامذہب" بنا دیں، یا کم از کم ان کے عیسائیوں کے بارے میں تعصب کو کم کر دیں۔

عیسائیوں کے ان ہتھکنڈوں کا ازالہ تقریروں اور نعروں سے ممکن ہے اور نہ ہی موزوں۔ اس کے لیے اگلی صدی میں مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں اور دینی اداروں کو بڑی گہری منصوبہ بندی' محنت شاقہ اور بے مثال قربانی کی ضرورت ہو گی اور اس کے لیے کام کی حسب ذیل منصوبہ بندی کرنا ہو گی:

۱- جدید تعلیمی اور فنی اداروں کا قیام

نئی صدی اور جدید دنیا کی سب سے اولین ضرورت تو ایسے تعلیمی اور فنی اداروں کا قیام ہے جہاں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ قدیم تعلیم بھی مہیا کی جائے' یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام جب مذہبی اداروں اور دینی تنظیموں کے تحت فروغ پذیر ہو گا اور اس میں قدیم و جدید طریقوں کا امتزاج عمل میں آئے گا' تو اس کا رنگ ہی منفرد ہو گا۔

اس پہلو پر کام کرنے کے لیے سب سے پہلے تو ذہن سازی کی ضرورت ہے۔ ہمارا مذہبی طبقہ ابھی تک جدید فکری اور فنی تعلیم کی اہمیت سے کما حقہ آگاہ نہیں ہے' یا اگر آگاہ ہے بھی تو اس سے تجاہل عارفانہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ "اسلام میں" علم کے حوالے سے' دینی اور دنیوی علوم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اسلام نے ان تمام علوم کو اساسی اہمیت دے دی ہے جو انسان کے لیے کارآمد ہیں۔ امام الغزالیؒ نے اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں علم کے حوالے سے جو گفتگو کی ہے۔ اس میں انہوں نے علوم کو اچھے اور برے علوم کی دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے جو کہ ان علوم کے استعمال کے اعتبار سے ہے۔ مثال کے طور پر علم طلسم و نیر نجات کو انہوں نے برے علوم کی تحت رکھا ہے' اس لیے کہ ان علوم کا استعمال انسانوں کے فائدے کے بجائے نقصان کے لیے ہوتا ہے۔(۳)

اس سلسلے میں اگر "کارآمد" ہونے ہی کو مدار ٹھہرا لیا جائے تو جدید علوم و فنون کی اہمیت ازخود واضح ہے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "الحكمة ضالة المومن" (۴) (حکمت مسلمانوں کی متاع گم گشتہ ہے)۔ کہہ کر مسلمانوں کو جن علوم و فنون کی طرف متوجہ کیا تھا' وہ صرف مذہبی علوم ہی نہ تھے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو انہیں "ضالة المؤمن" (مومن کی متاع گم گشتہ) قرار دینے میں کیا حکمت ہے؟ اور پھر اگر اس فہرست میں جدید علوم و فنون شامل نہیں ہیں تو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں' جب آج سے بدرجہا بہتر اور افضل لوگ موجود تھے ' یونانیوں کے علوم و فنون کی بند کوٹھڑیاں کیوں کھولی گئیں اور بڑے بڑے مذہبی لوگوں اور دینی رہنماؤں نے ان علوم کو کیوں سیکھا اور دوسروں کو سکھایا؟ اور ان علوم پر کتابیں کیسے تصنیف و تالیف کیں اور پھر ان میں سے متعدد علوم مثلاً منطق' فلسفہ' اور قدیم عربی ادب.... آخر کس بنا پر ابھی تک دینی مدارس کے نصاب میں داخل اور شامل ہے؟

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے تو "دین اور دنیا" کی تفریق نہیں کی تھی' بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے نزدیک تو علوم کی دو قسمیں تھیں "العلم علمان علم الایدان وعلم الادیان"(امام شافعیؒ) اس لیے تمام علوم ہی دینی اور اسلامی ہیں...پھر ان حالات میں' جب انہی علوم کو اپنی ڈھال بنا کر غیر مسلم اپنا مذہب، اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت مسلم معاشرے میں پھیلا رہے ہیں ان علوم سے ہماری پہلوتہی.... ایک "مجرمانہ" فعل کے سوا کچھ اور نہیں ہے.

یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ دینی اور مذہبی ادارے تو پہلے ہی بمشکل اپنے ادارے چلا رہے ہیں' وہ بیچارے ان جدید تعلیم گاہوں کا بوجھ کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟ یہ سوال بہت اہم ہے ، لیکن جدید تعلیم و تربیت مہیا کرنے والوں کے لیے یہ مسئلہ کوئی اہم نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ہاں تمام دینی اداروں کا انتظام و انصرام عطیات اور چندوں سے ہوتا ہے، لیکن اگر یہ دینی ادارے کمر ہمت کس کر میدان عمل میں نکل آئیں۔ تو ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اس " جدید تعلیم و تربیت" کا تمام تر نظام ان کے لیے" خود کفالتی"اور " منافع بخش اسکیم" ثابت ہو گا... اس اسکیم کے لیے ، صرف اچھی اور باوقار" تعلیم گاہ" مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے تمام تر اخراجات ... ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے یا ان کے سرپرست خود برداشت کریں گے۔

دینی اور مذہبی اداروں کے تحت " جدید تعلیم" مہیا کرنے کا یہ تجربہ ہندوستان، ترکی ، شام الجزائر ، مصر ، انڈونیشیا ، ملائشیا اور سعودی عرب وغیرہ میں " منافع بخش" طریقے پر کامیاب رہا ہے اور عام طور پر بے حد فائدہ مند بھی ہے۔ اور خود پاکستان میں بھی اس طرح کے کئی ادارے منافع بخش طور پر ، عمدگی اور کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں(۵)' ضرورت اس بات کی ہے کہ طالب علموں کے لیے شایان شان، عمدہ اور اچھا تعلیمی ماحول مہیا کیا جائے اور اس نہج پر ، اس کے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ اس کام کو جاری کرنے اور معاشرے میں عام کرنے کے لیے ایک صورت تو یہ ہے کہ خود بڑے بڑے دینی ادارے اپنی نگرانی میں یہ فریضہ سرانجام دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے ہاں سے فراغت پانے والے سیکڑوں طالب علموں کو یہ " ہدف" دیں اور اس کے لیے انہیں ضروری " مشاورت" اور " نگرانی" مہیا کریں.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دینی اداروں سے ملحق اداروں یا ان کے زیرسرپرستی اداروں میں ، نصاب تعلیم پر بھی نظرثانی کی جائے اور حکومت پاکستان نے جن جن مضامین میں اپنا مرتب کردہ مواد رکھنے کی گنجائش رکھی ہے' اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے نصاب تعلیم کو ممکنہ حد تک عمدہ اور دینی بنایا جائے ، اس طرح ان اداروں سے جو لوگ فارغ التحصیل ہوں گے۔ وہ پورے ملک میں ان اداروں کے لیے نیک نامی کا باعث بھی بنیں گے، وہ اس ان کالے انگریزوں کا ٹھیک علاج بھی ثابت ہوں گے ، جو "عیسائی" اداروں کے تحت تعلیم حاصل کر کے ، ملک میں بے دینی اور انارکی پھیلا رہے ہیں۔

اس مقصد کے تحت ، پرائمری ، مڈل ، ہائی اسکول اور فنی تربیت کے اداروں کا قیام ایک منظم طریقے سے عمل میں لایا جانا چاہیے۔

اس مقصد کے لیے حکومت کے مختلف اداروں سے مالی اور فنی امداد و اعانت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔(۶)

حکومتی تجربہ اور اس کی ناکامی کے مضمرات

پاکستان کے موجودہ وفاقی مذہبی امور، ڈاکٹر محمود احمد غازی نے جو خوش قسمتی سے عالمی رابطہ ادب اسلامی کے رکن بھی ہیں' جو کہ مکمل طور پر ، ایک غیر فرقہ وارانہ اور غیر سیاسی تنظیم ہے ' اعلان کیا ہے کہ حکومت " ماڈل دینی مدارس شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ حکومت کا یہ اقدام بجائے خود قابل تحسین و آفرین ہے' لیکن حکومت کی سیاسی اور مذہبی مجبوریوں کے پیش نظر ، یہ بات واضح طور پر نظر آ رہی ہے کہ حکومتی سطح پر قائم ہونے والے ماڈل مدارس بری طرح ناکامی سے دو چار ہوں گے۔ اس لیے کہ اول تو حکومت پر ، دینی تعلیم کے سلسلے میں لوگوں کی طرف سے اعتماد موجود نہیں ہے ، پھر حکومت کی کوشش یہ ہوگی کہ چاروں بلکہ پانچوں فرقوں کو اس میں زبردستی داخل کرنے کی کوشش کرے ۔ اس کا نتیجہ سود مند ثابت ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس کے بجائے یہ کام اگر پرائیویٹ طور پر انجام دیا جائے ، تو اسی میں کامیابی کی توقع کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جا سکتی ہے۔

۲۔ رفاہ عامہ (ہسپتال، کلینک) وغیرہ کا قیام

غیر مسلموں کی تبلیغی اور دعوتی سرگرمیوں کا توڑ کرنے کے لیے، دوسرا راستہ ایسے رفاہ عامہ اور بہبود عوام کے اداروں کا قیام عمل میں لانا ہے، جو عوام کے لیے بہتری اور بھلائی کا ذریعہ ثابت ہوں۔ پھر جیسا کہ اوپر تذکرہ ہوا، عام طور پر ہمارے ہاں جو مذہبی ادارے اور تنظیمیں کام کر رہی ہیں، ان کی تمام تگ و دو اور دوڑ دھوپ، صرف مساجد اور مدارس قائم کرنے اور ان کے چلانے تک محدود ہے اور ملک و قوم کے لیے رفاہی کاموں کی بجا آوری کو یہ حضرات اپنے دائرہ اختیار سے باہر خیال کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے، اسلام اللہ تعالیٰ کا وہ آخری اور کامل ترین دین ہے، جو حقیقت... اور سچائی کے بین الاقوامی اصولوں پر استوار ہے۔ اس کا مادہ "سلم" ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ چنانچہ اسلام ایسا مذہب ہے جو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی سلامتی کا علمبردار ہے اور اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس مذہب کو قبول کرنے والے دنیا اور آخرت میں امن و سلامتی کے حق دار ٹھیرتے ہیں اور یہ کہ اس نظام حیات پر عمل کرنے سے ان کے جسم اور ان کی روح مختلف قسم کی پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا ہونے سے بچی رہتی ہے، اس لیے قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اذ جاء ربه بقلب سليم (۷) جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔

قلب سلیم سے ایک تو مراد یہ ہے کہ ان کا دل ہر روحانی عارضے سے صحیح و سالم تھا اور دوسرا مطلب یہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ جسمانی طور پر بھی ان کا دل ہر مرض اور ہر عیب سے پاک و منزہ تھا، اسی طرح، حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں کیں، ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: واذا مرضت فهو يشفين (۷۔الف) (اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے اس دعوی کی مزید تائید ان احادیث طیبہ سے بھی ہوتی ہے جن میں نماز کی پابندی کرنے والے کے لیے تمام موذی امراض سے صحت و سلامتی کی بشارت سنائی گئی ہے...اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے قلبی اور روحانی وظائف کا انسان کی ظاہری اور جسمانی حالت پر بھی اثر پڑتا ہے اور اب تو میڈیکل سائنس نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ "مذہبی اعمال اور وظائف کرنے والے لوگ عام طور پر مہلک بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں"۔

پھر اسلام نے لوگوں کو روحانی امراض سے سلامتی اور نجات کا خالی مژدہ ہی نہیں سنایا بلکہ اپنے ماننے والوں کو اس بات کی بھی ہدایت فرمائی ہے کہ وہ دوسروں کے لیے مجسمہ امن و سلامتی بن جائیں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک پاکیزہ ارشاد میں فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (۸) مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان سے اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے:

من قتل نفسا بغير نفسٍ او فساد في الارض فكانّما قتل النّاس جميعا ومن أحياها فكأنّما أحيا النّاس جميعا (جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا وہ تمام لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا)۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی "زندگی کے رفاہی پہلو کو اتنی اہمیت عطا فرمائی ہے کہ بعض احادیث میں اسی پر نجات کامل کی اساس" رکھی ہے۔ مثال کے طور پر ایک حدیث طیبہ میں ایک "فاحشہ عورت" کے صرف اس بنا پر مغفرت کیے جانے کا ذکر ہے کہ اس نے ایک پیاس سے مرنے کے قریب کتے کو اپنی اوڑھنی کے ذریعے کنوئیں سے نکال کر پانی پلایا تھا اور ایک عابد و زاہد عورت کے صرف اس بنا پر مبتلائے عذاب کیے جانے کا بیان ہے کہ اس نے اپنی پالتو بلی کو رسی سے باندھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا تھا۔ جس کی بنا پر وہ بھوک اور پیاس سے ہلاک ہو گئی۔(۱۰) اس سے پتہ چلتا ہے کہ ''رفاہ عامہ'' اور عوام الناس کی خدمت اور بھلائی کے کام اسلام میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور یہ کہ اسلام میں ان کی اہمیت کسی طرح بھی روزے' زکوۃ اور دیگر فرائض کی بجا آوری سے کم نہیں ہے۔

پھر یہ بات یہیں تک اسی محدود اور موقوف نہیں ہے، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوع کے معمولی سے اعمال پر بھی ثواب اور اجر کی بشارت دی ہے۔ مثال کے طور پر ایک حدیث مبارکہ میں راستے میں کانٹے یا کسی اور تکلیف دہ شے کے اٹھانے پر اجر و ثواب کی خوشخبری دی گئی ہے اور بعض دوسری روایات میں رفاہ عامہ کے لیے کیے ہوئے کاموں کو ایسا صدقہ جاریہ قرار دیا گیا جن کا ثواب ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بڑے اعمال پر اللہ تعالی کی طرف سے ملنے والے ثواب اور اجر کا کیا حال ہو گا۔

۳۔ صحت و تندرستی کے مسائل کی اہمیت

اسلام کے رفاہ عامہ اور افادہ عوام کے اس پروگرام میں لوگوں کی صحت و تندرستی کے لیے اختیار کردہ تدابیر اور مساعی کو خصوصی فوقیت حاصل ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن حکیم میں ایک انسان کی جان بچانے کے عمل کو تمام انسانیت کی جان بچانے کا عمل قرار دیا گیا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسلام کی سوا چودہ سو سالہ تاریخ سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

قدیم زمانے میں ہسپتال کو بیمارستان کہا جاتا ہے' اس میں مزید تخفیف ہوئی تو یہ لفظ مارستان بن گیا۔ اسلامی تاریخ میں پہلا مارستان یا ہسپتال خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں قائم کیا۔ یہ واقعہ ۵ھ میں غزوۂ خندق کے موقع پر پیش آیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴- ہسپتالوں کے قیام میں مسلمانوں کی خدمات

سیرت طیبہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اس جنگ میں معروف صحابی اور قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ شدید طور پر زخمی ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد نبوی میں خیمہ نصب فرمایا اور حضرت رفیدہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کو ان کی مرہم پٹی پر مامور کیا۔ حضرت رفیدہ دن میں کئی مرتبہ حضرت سعدؓ کو دیکھنے کے لیے مسجد میں تشریف لاتی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حضرت سعدؓ کی عیادت اور دیکھ بھال فرماتے تھے، لیکن تمام تر احتیاطی تدابیر اور علاج معالجے کے باوجود ایک صبح لوگوں نے دیکھا کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے خیمہ سے خون کی ایک دھار باہر کی طرف بہہ رہی ہے۔ دیکھا گیا تو حضرت سعدؓ کا زخم کھل گیا تھا اور خون زیادہ بہہ جانے کی بنا پر ان کا اسی زخم سے انتقال ہو گیا۔ یہی حضرت سعدؓ تھے جن کے جنازے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایڑیاں اٹھا اٹھا کر چل رہے تھے' پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں خود طب اور میڈیکل کے شعبے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پیشے کو اپنے طرز عمل سے مشرف فرمایا۔ نامور محدث امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں ایک خصوصی باب "کتاب الطب" کے عنوان سے قائم کیا ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ علاج کے بارے میں بہت سی روایات شامل فرمائی ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف روحانی امراض کے طبیب حاذق تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی عوارض اور بیماریوں کے بھی معالج تھے۔ اس طرح اس پیشے کے لیے اس سے بڑا اعزاز کیا ہو گا کہ اسے "سنت نبوی" ہونے کا اعزاز حاصل ہے' بشرطیکہ یہ پیشہ "خدمت عوام" کے جذبے کے ساتھ اختیار کیا جائے۔

اسلام سے پہلے ہسپتالوں کے وجود کا کوئی مستند حوالہ نہیں ملتا' کچھ لوگ اسے ایک اسطیری قبطی حکمران مناقیوش کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کچھ لوگ یونان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معروف حکیم بقراط کی طرف، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ سنت نبوی ... سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی تاریخ میں پہلا ہسپتال یا مارستان نامور اموی خلیفہ الولید اول (۸۶-۹۶ھ / ۷۰۵-۷۱۵ء) نے قائم کیا ' اس نے اس میں کئی اطباء رکھے اور ان کی تنخواہیں (ارزاق) مقرر کیں۔ (۱۲)

نامور مورّخ علامہ ابو جعفر الطبری نے لکھا ہے کہ الولید نے کوڑھیوں کو علیحدہ رکھنے کا حکم دیا اور ان کے لیے عام لوگوں سے اختلاط ممنوع قرار دیا اور ان کے لیے مدد معاش مقرر کی' الطبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ الولید نے ان کو عطیات دینے اور انہیں بھیک مانگنے سے منع کیا۔ اس نے ہر اپاہج کے لیے ایک خادم اور ہر اندھے کے لیے ایک عصاکش (رہنما) مقرر کیا۔ (۱۳)

کیا مریضوں کے لیے اتنی فیاضی اور دریا دلی کے ساتھ آج کے دور میں بھی اس طرح کے سلوک کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

اسلامی تاریخ میں ہسپتال کے قیام کا یہ تو نقطہ آغاز تھا' حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کا ہر باب بڑے بڑے ہسپتالوں کے ذکر سے بھرا ہوا ہے' چنانچہ جب بنو عباس نے "بغداد" کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا جسے "عروس البلاد" کہنا چاہیئے ' تو اس شہر کے ہر حصے میں ہسپتالوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بغداد کا سب سے بڑا اور مرکزی مارستان بغداد کے جنوب مغربی جانب' مضافات شہر میں نہر کرخایا کے کنارے بنایا گیا۔ اس ہسپتال کو نامور عباسی خلیفہ ہارون الرشید عباسی (۱۷۰ھ/۸۹۲-۱۸۹ھ/۹۰۲ء) کے غلام العضدی نے دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر المخرم کے علاقے میں تعمیر کیا۔ (۱۴)' بغداد ہی میں علاقہ حزیمہ میں ایک اور مارستان شہر "المنصور" کے شمال میں واقع تھا، جس کے لیے ۳۰۲ھ/۹۱۴ء میں وزیر ابو الحسن علی بن عیسیٰ نے ایک وقف مقرر کیا دیا تھا۔ اس وزیر کے زمانے میں کئی ہسپتال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قائم ہوئے جن کی نگرانی وزیر ابو الحسن علی بن عیسی نے ابو عثمان سعید بن یعقوب الدمشقی کے سپرد کی تھی۔

یہ تو صرف ابتدائی تاریخ کا محض ایک ورق تھا' ورنہ اس دور میں ہر شہر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کئی کئی ہسپتال کام کرتے تھے جن میں باقاعدہ مریضوں کے قیام و طعام اور ان کے لیے ادویات وغیرہ کا اہتمام ہوتا تھا۔ ان ہسپتالوں سے ہزاروں لوگ بلا اُجرت استفادہ کرتے تھے اور ہسپتالوں کا قیام اسلامی حکومت کے لیے لازمی فعل کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان سرکاری ہسپتالوں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر بھی کئی ہسپتال قائم تھے' جن کی سرپرستی مختلف صاحب حیثیت اور متمول لوگ کرتے تھے' اور ان ہسپتالوں سے بلا تفریق مذہب و ملت لوگوں کو خدمت مہیا کی جاتی تھی۔(۱۵)

ان ہسپتالوں کے لیے اطباء کا انتخاب خالصتاً میرٹ پر ہوتا تھا اور ان میں مسلمان اور غیر مسلم کا فرق ملحوظ نہ رکھا جاتا، چنانچہ نامور حکمران ہارون الرشید عباسی کا طبیب خاص جبریل بن بختیشوع ایک عیسائی تھا، جو شاہی طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ بغداد کے ہسپتال کا چیف میڈیکل آفیسر بھی تھا۔

ہسپتالوں میں مریضوں کو مفت ادویات مہیا کرنے کے ساتھ ان کی مالی امداد و اعانت کا پہلو بھی مدنظر رکھا جاتا تھا' پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کوڑھیوں اور اپاہجوں کو حکومت کی طرف سے ایک ایک خادم بھی مہیا کیا جاتا تھا۔

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ہسپتالوں اور شفاخانوں کا قیام مسلمانوں کے شاندار ماضی کا ایک لازوال کارنامہ ہے۔ دنیا کی تاریخ میں باضابطہ طور پر اس کارخیر کی ابتدا کرنے کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہے۔

حرفِ آخر

اس وقت ہمارے ملکی مسائل میں یہ دو شعبے (تعلیم اور رفاہ عامہ کے پروگرام) بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ درحقیقت رابطہ عوام کا ذریعہ بھی ہیں۔ گذشتہ صدی میں علماء اور عوام کے مابین جو فاصلہ ہو گیا تھا اگر موجودہ صدی میں مذکورہ دونوں راستے اختیار کیے گئے تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ علماء اور عوام کے درمیان ٹوٹا ہوا رابطہ پھر بحال ہو جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رابطہ عوام کا یہ کام اپنی سطح اور اپنی حیثیت کے مطابق انجام دیا جائے' چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں اس پروگرام پر چند سو روپے ماہانہ کے ذریعے اور بڑے شہروں میں چند ہزار روپے ماہانہ کے ذریعے اس پر عمل کیا جا سکتا ہے، مگر تجربہ شرط ہے.

ہمارے خیال میں موجودہ صدی غلبہ اسلامی کی صدی ہے' لیکن اس کے لیے خصوصاً دیندار اور مذہبی طبقے کو اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے پر انجام دینا ہوں گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱- آل عمران (۳/۱۹۱-۱۹۲)

۲- نوائے وقت، لاہور، مورخہ ۷-نومبر ۱۹۹۹ء

۳- تفصیل کے لیے دیکھیے الغزالی، احیاء علوم الدین، قاہرہ، جلد اول

۴- ابن ماجہ، السنن، مقدمہ

۵- مثلاً کراچی اور لاہور میں "اقراء" کے تحت چلنے والے ادارے، اس کی واضح مثال ہیں۔

۶- حکومت کے متعدد ادارے، مثلاً ایجوکیشن فاؤنڈیشن وغیرہ، مختلف شرائط کے تحت تعلیمی اداروں کو گرانٹس وغیرہ مہیا کر رہے ہیں۔

۷- الصافات (۳۷/۸۴)

۷الف- الشعراء (۲۶/۸۰)

۸- البخاری، الجامع الصحیح، (کتاب الایمان)۔

۹- المائدہ (۵/۳۳)

۱۰- دیکھیے النووی، ریاض الصالحین۔

۱۱- ابن حجر العسقلانی: الاصابہ (جلد اول تذکرہ سعد بن معاذ اور جلد ۴- تذکرہ حضرت رفیدہ اسلامیہ)

۱۲- المقریزی، خطط، ۲:۴۰۵

۱۳- الذہبی، تاریخ الاسلام، ص۶۷۰

۱۴- ابن ابی اصیبعہ، ۱:۲۲۱۰-۴۱۲

۱۵- مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ "بیمارستان"۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com